سید عبدالحلیم اثر افغانی الحسینی

میر سید علی ہمدانی رح

آقائے علی اصغر حکمت کی تحقیقات پر ایک نظر

مجلہ "المعارف" بابت ماہ دسمبر ۱۹۶۹ء میں "سید علی ہمدانی" "از ہمدان تا کشمیر" کے عنوان سے ایک فاضلانہ مقالہ درج ہے۔ اس موضوع پر میری بھی کچھ معلومات ہیں۔ آقائے علی اصغر حکمت کی ذات پاکستان اور ایران دونوں کے لیے واجب الاحترام ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ میری معلومات مجلہ "المعارف" کی وساطت سے آقائے حکمت کی نذر کی جائیں۔

اس سلسلے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ دو کرمان ہیں۔ ایک پاکستانی کرمان۔ دوسرا ایرانی کرمان۔ سید علی ہمدانی کے آباؤ اجداد پاکستانی کرمان سے ایران کے ہمدان گئے ہیں۔ جہاں سید علی ایرانی ہمدانی ہیں، وہاں پاکستانی کرمانی بھی ہیں۔ یہ ایک نکتہ ہے میں نے اس سے بحث کی ہے۔

اسی طرح دو پکھل ہیں۔ ایک پکھل مغربی پاکستان کے ضلع ہزارہ میں ہے۔ یہاں ایک دریا کا نام کُنّار ہے۔ لیکن یہ پکھل کسی گاؤں، قصبہ یا شہر کا نام نہیں بلکہ علاقہ کا نام ہے۔ ضلع ہزارہ کے اس پکھل سے تین سو میل کے فاصلہ پر مملکت افغانستان کے مشرقی سمت کے صوبہ ننگرہار میں علاقہ کافرستان کے ہمسایہ میں اور علاقہ وادی کنہار کے درمیانی حصہ کے قریب دریائے کنڑ کے کنارہ پر دوسرا پکھل واقع ہے۔ یہ دوسرا پکھل ایک مقام کا نام ہے۔

سید علی ہمدانی دوسرے پکھل میں فوت ہوئے تھے۔ مقالہ نگار نے اسے پہلا پکھل سمجھا اس لیے ان دونوں تاریخی مقامات کے کوائف گڈمڈ ہو گئے۔ اس کی تصحیح لازمی ہے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا، اس کے ثبوت کے لیے ہمیں مزید توضیحات پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

مقام وفات کا تعین

آقائے علی اصغر حکمت فرماتے ہیں: "مفصل سیر و سیاحت کے بعد سرزمین پنجاب کے ایک سرحدی شہر میں فوت ہوئے" اس کے بعد آگے چل کر "آپ کا مقبرہ" کے عنوان سے جو عبارت درج ہے، ہم اسے یہاں پوری نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ تاریخ کو جب جغرافیہ سے الگ کر دیا جاتا ہے تو اس سے کیا نتائج برآمد

ہوتے ہیں۔ آقائے موصوف لکھتے ہیں :

"۔۔۔۔۔۔ سید صاحب نے جس جگہ وفات پائی اسے [پاخلی] کہتے ہیں (ضلع ہزارہ، پاکستان غربی۔ یہ مقام پاکستان کی سرحد کے نزدیک اور کونار کافرستان کے پاس ہی ہے) ہندوستان میں خاندان مغلیہ کے بانی بابر نے ۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء میں اس جگہ کی زیارت کی۔ اس نے اپنی یادداشتوں (تزک بابری) میں لکھا، "میر سید علی ہمدانی سفر کرتے ہوئے یہاں آئے اور کونار سے دو میل کے فاصلہ پر ارتحال فرمایا۔ آپ کے مرید نعش مبارک کو ختلان لے گئے۔ مگر یہاں بھی ایک پُر نور بقعہ بنا گیا ہے۔ ۹۲۰ھ میں "چغان سرا" پر قبضہ کرتے وقت میں یہاں آیا اور اس جگہ کی زیارت کی اور اظہار ارادت کیا۔"

مندرجہ بالا اقتباس میں درج ذیل تصریحات بحث طلب ہیں :

(۱) میر سید علی سرزمین پنجاب کے ایک سرحدی شہر میں فوت ہوئے۔

(۲) سید صاحب نے جس جگہ وفات پائی، اسے پاخلی کہتے ہیں۔

(۳) یہ جگہ ضلع ہزارہ، پاکستان غربی میں ہے۔ یہ مقام پاکستان کی سرحد کے نزدیک اور کونار کافرستان کے پاس ہے۔

(۴) بقول تزک بابری سید موصوف کا مقام وفات کونار سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

(۵) یہ جگہ چغان سرا کے نزدیک ہے۔ بابر نے جب چغان سرا پر قبضہ کیا تو آپ نے سید موصوف کے مقام وفات کی زیارت کی تھی۔

اگر آپ جغرافیہ پر نظر ڈالیں تو آپ کو مندرجہ بالا اقتباس سے کئی ایک الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا (۱) ایک یہ کہ مقام پاخلی سرزمین پنجاب کا ایک سرحدی شہر نہیں ہے (۲) پاخلی کے نام سے ضلع ہزارہ پاکستان غربی میں کوئی دیہہ، قصبہ، شہر غرضیکہ کوئی بھی مقام نہیں ہے (۳) پاکستان کی سرحد کے نزدیک جس کونار کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کافرستان کے قریب ہے، وہ کونار ضلع ہزارہ سے تقریباً تین صد میل کے فاصلہ پر سمت مشرقی افغانستان میں واقع ہے۔ (۴) بابر نے جس مقام کا ذکر کیا ہے اس کا نام کونار نہیں بلکہ "کُنڑ" کنہار ہے۔

پیش نظر مقالہ کے مندرجہ بالا اقتباس کے کچھ حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات مغربی پاکستان کے ضلع ہزارہ میں ہوئی ہے۔ جب کہ دوسرے حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سمت مشرقی افغانستان کی وادی "کُنڑ" میں ہوئی ہے۔ آیئے اقتباسات مندرجہ بالا میں جن مقامات کا ذکر کیا گیا ہے، ان پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے کہاں کہاں واقع ہیں اور

یہ الجھنیں کیونکر پیدا ہوتی ہیں۔

پاخلی

پیشِ نظر مقالہ میں سید موصوف کے مقامِ وفات کا نام پاخلی بتایا گیا ہے۔ جب کہ "خزینۃ الاصفیا" (جلد ۲، ص ۲۹۵ و ۲۹۶) میں یہ نام پکھلی لکھا گیا ہے۔ اور آج بھی اسے پکھلی ہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تلفظ میں فرق اس وجہ سے پیش آیا ہے کہ علاقائی لہجوں کے اختلاف سے حرف (ک) کی جگہ (خ) کا تلفظ بھی کیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر لفظ پکھلی کو کہیں پاکلی پڑھ لیا ہو اور اسے پاخلی ضبط کیا گیا ہو تو یہ ممکن ہو سکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں جس مشکل کا سامنا ہے وہ یہ ہے کہ ضلع ہزارہ میں پکھلی = پاخلی کسی مقام کا نام نہیں ہے۔ اس نام سے علاقہ ہزارہ میں کوئی گاؤں، قصبہ یا شہر وجود نہیں رکھتا بلکہ یہ ایک وسیع علاقہ کا نام ہے جو ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ میں واقع ہے اور اس کی سرحدیں کشمیر کے مختلف حصوں سے جا ملتی ہیں۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ پکھلی (پاخلی) کا علاقہ جغرافیائی محل و قوع کے اعتبار سے سرزمین پنجاب کا ایک سرحدی شہر تو کیا ایک سرحدی علاقہ بھی نہیں ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی تالیف "تاریخ مخزن پنجاب" (طبع ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء) صفحہ ۱۳ و ۱۴ جلد ۲ میں پکھلی کا علاقہ کشمیر کے ملحقہ علاقوں میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جب کہ یہ بیان واقعات کے مطابق اور درست ہے۔ اور قیام پاکستان اور اس سے قبل انگریزی عہد میں پکھلی کا علاقہ صوبہ سرحد کا حصہ رہا ہے۔ پنجاب سے اس کا تعلق نہیں رہا ہے۔ یہ علاقہ ضلع ہزارہ کے شمال اور شمال مشرق کے حصہ میں واقع ہے، اس کے اور پنجاب کے درمیان ایبٹ آباد اور نتھیا گلی جیسے مشہور شہر اور مقامات واقع ہیں۔ اس اعتبار سے اگر پاخلی = پکھلی کے نام سے ضلع ہزارہ میں کوئی مقام فرض بھی کر لیا جائے تو وہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے سرزمین پنجاب کا سرحدی شہر نہیں ہوگا۔ کہاں پنجاب اور کہاں تحصیل مانسہرہ کا علاقہ پکھلی؟

پیشِ نظر مقالہ کے اس اقتباس کا وہ حصہ بڑا دلچسپ ہے جس میں کہا گیا ہے:

"اسے پاخلی کہتے ہیں (ضلع ہزارہ۔ پاکستان غربی۔ یہ مقام پاکستان کی سرحد کے نزدیک اور کونار کافرستان کے پاس ہے)۔" اس بیان میں دلچسپی کی بات یہ ہے کہ جب یہ اعتراف کیا جاتا ہے کہ پاخلی ضلع ہزارہ، مغربی پاکستان میں ہے تو پاکستان کے نقشہ پر ایک نظر ڈالنا چاہیے تھی کہ ضلع ہزارہ خصوصاً علاقہ پکھلی پاکستان کی کسی بھی سرحد کے قریب نہیں ہے۔ اس پر ایک طرف آزاد کشمیر دوسری طرف گلگت ایجنسی اور صوبہ سرحد

کے دوسرے علاقے واقع ہیں اور ایک طرح سے پکھلی پاکستان غربی کے وسطی حصہ میں ہے۔ پاکستان کی کوئی بھی سرحد اس سے سینکڑوں میل دور ہے۔ اور اس سے بھی عجیب تر یہ کہ آقائے موصوف فرماتے ہیں: "پاکستان کی سرحد کے نزدیک اور کونار کا فرستان کے پاس ہے۔" جب کہ حالت یہ ہے کہ وہ کونار جو کافرستان کے پاس ہے، وہ پاکستان کی سرحد کے نزدیک نہیں ہے سوء ضلع ہزارہ کے علاقہ پاخلی (پکھلی) سے کم از کم تین صد میل کے فاصلہ پر ہوگا۔

وادیٔ کُنَّر

واقعات یہ ہیں کہ لفظ پاخلی۔ پکھلی اور اس کے ساتھ لفظ کونار نے یہ تمام الجھنیں پیدا کی ہیں۔ ۶۰۰ ھ مطابق ۱۲۰۳ء کے قریب سمت مشرقی افغانستان کی وادی پابین صوبہ ننگر ہار اور اس سے ملحقہ وادی کُنَّر پہ دو بھائیوں کی حکومت تھی۔ سلطان بہرامؒ اور سلطان پکھل۔ بہرام کی حکومت پابین پر اور پکھل کی وادی کنر پر تھی۔ سلطان پکھل (شاہ بخل۔ بلخ) نے مشرق کی طرف فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے شمالی مغربی پاکستان سے قبائلی علاقے مهمند، باجور (اتمان خیل)، دیر، سوات، بنیر، ہزارہ اور کشمیر کے مغربی اور شمالی حصے فتح کر لیے۔ (بحوالہ تذکرۃ الابرار از اخوند رویزہ صفحہ ۱۰۷، طبع پشاور)۔ سلطان پکھل ضلع ہزارہ کے جس علاقہ میں فوت ہوا، اسے پکھلی کہا جاتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے دو پکھل ہیں۔ دو کنار ہیں۔

(الف) ایک علاقہ پکھلی = پاخلی ہے، جہاں کے ایک دریا کا نام "دریائے کنہار" ہے۔ جسے کافی شہرت حاصل رہی ہے اور ضلع ہزارہ میں ہے۔

(ب) دوسری طرف افغانستان کی سمت مشرقی صوبہ ننگر ہار میں ایک وسیع اور تاریخی وادی کا نام کُنَّر کُنَار = کنہار = کُنَّڑ = کھنہ اور مشہور ہے۔ یہ وہی وادیٔ کُنَّر ہے جہاں فقید الشرق سید جمال الدین افغانی پیدا ہوئے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سادات افاغنہ" اور "تذکرۂ سید افغانی")۔ بھارت کی سترہ مشہور زبانوں میں ایک زبان کنڑی اسی کنڑ (کنہار = کُنَّر) کی طرف منسوب ہے۔ افغانستان کی اس وادیٔ کنہار میں جو دریا بہتا ہے، اس کا نام بھی دریائے کنہار ہے، جسے پیش نظر مقالہ میں غلطی سے کونار ضبط کیا گیا ہے۔

لہ حضرت اخوند رویزہ علیہ الرحمۃ کی والدہ ماجدہ مسماۃ قراری اسی سلطان بہرام کی نسل سے تھیں، جن کا شجرہ یہ ہے۔ قراری بنت نازو خان بن ملک داور پائے بن ملک بالو بن سلطان قران بن سلطان خواجہ بن سلطان تومنا بن سلطان بہرام (برادر سلطان پکھل) (ناشر)

چونکہ سلطان پکھل ہزارہ اور کشمیر جانکلنے سے پہلے سمت مشرقی افغانستان کی وادی کنڑ میں مقیم اور حکمران تھے ، اس لیے ان کے مقامِ حکومت کا نام ہے بخل = بخل = پکھل جسے غلطی سے پاخلی ضبط کیا گیا ہے۔ ظہیر الدین بابر نے اپنی توزک میں جس "چغان سرا" کا ذکر کیا ہے ، یہ نام حضرت اخوند رویزہ نے اپنی تالیف "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں "چگان سرای" ضبط کیا ہے۔ جب کہ اس کا موجودہ پشتو تلفظ "چغہ سرای" ہے۔ اس جگہ کو فوجی نقطۂ نگاہ سے کافی اہمیت حاصل ہے۔ جس میں آج تک کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ حضرت سید علی ہمدانی کا مقام وفات بخل = بکل اس "چغان سرای" کے قریب ہی ہے۔ یہ بخل = بکل - باغدی = باغلی جو افغانستان کے علاقہ کنڑ کے قریب ہے اور افغانستان کا کنڑ کافرستان کے قریب ہے اسے غلطی سے ہزارہ کے کنڑ اور پکھل سے ملا دیا گیا ہے۔

حضرت سید علی ہمدانی اسی وادی کنڑ کے علاقہ میں فوت ہوئے تھے۔ یہاں سے آپ کا جسد مبارک ختلان لے جایا گیا اور وادی کنڑ میں بھی آپ کے نام سے مزار بنا یا گیا ہے جو مرجع خاص و عام ہے۔

پیشِ نظر مقالہ میں "تاریخ احوال" کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "آپ ہمدان کے علوی سادات کے خاندان کے چشم و چراغ تھے"۔ اس سلسلہ میں ہماری گذارش یہ ہے کہ میر سید علی ہمدانی کے مورث اعلیٰ مغربی پاکستان میں سکونت پذیر تھے۔ ان کا مزار بھی مغربی پاکستان میں ہے۔ اور بعد میں مغربی پاکستان ہی سے آپ کے اجداد ہمدان تشریف لے گئے تھے۔ اگر ایک اعتبار سے آپ ہمدانی ہیں تو دوسرے اعتبار سے آپ پاکستانی بھی ہیں۔

نیز "ولادت و وفات" کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے "علی ہمدانی سولھویں پشت میں علی ابن حسین بن امام علی زین العابدین سے جا ملتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہماری گذارش یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب علی ابن حسین ابن علی زین العابدین ابن سید الشہداء امام حسین سے نہیں بلکہ حسین الاصغر ابن علی زین العابدین کے دوسرے فرزند "سید ابو جعفر عبداللہ (عبیداللہ) زاہد الاعرج" کے واسطہ سے ملتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ آپ کے مورث اعلیٰ سید ابو جعفر عبداللہ زاہد الاعرج انیسویں پشت پر اور سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ اکیسویں پشت پر ہیں۔

اس ضمن میں آقائے علی اصغر حکمت نے مجالس المومنین بحوالہ خلاصۃ المناقب سے جو بیان نقل کیا ہے ، وہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے دو وجوہات ہیں :

ایک یہ کہ جیسا کہ استاد مرحوم سید سلیمان ندوی نے اپنی تالیف "ارض القرآن" (جلد ا صفحہ ۱۵) میں تصریح کی ہے علم اصول تاریخ کی رو سے ایک سو سال کے عرصہ کے لیے چار پشتیں اور کم سے کم تین پشتیں شمار کی جاتی ہیں۔ اب اگر میر سید علی ہمدانی، علی یا ابو جعفر عبداللہ ابن حسین الاصغر سے سولہویں پشت پر قرار دیے جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ سید الشہدا امام حسین سے ۱۹ ویں پشت پر تھے۔ اس طرح سو سال کے لیے چار پشتوں کے حساب سے سید علی ہمدانی ۴۷۵ھ/ ۱۰۸۲ء کے زمانہ کے اور تین پشتوں کے حساب سے ۶۲۳ھ/ ۱۲۲۵ء کے زمانہ کے قرار دیے جائیں گے۔ حالانکہ آپ کی ولادت ۷۱۴ھ/ ۱۳۱۴ء اور وفات ۷۸۶ھ/ ۱۳۷۴ء کی ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت سید علی ہمدانی کی نسل اور خاندان کے جو لوگ مغربی پاکستان میں آباد ہیں، ان کے پاس آپ کا جو شجرہ ہے، اس میں سید علی ہمدانی کا شجرہ اکیسویں پشت پر سید الشہدا امام حسین تک پہنچتا ہے، جو علم اصول تاریخ کے تین پشت فی سو سال کے اصول پر تقریباً پورا اترتا ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ مغربی پاکستان کا شجرۂ محبوبی بہ نسبت ان شجروں کے جو میر جعفر بدخشی کے "خلاصۃ المناقب" میں درج ہے۔ یا مفتی غلام سرور لاہوری کی تالیف "خزینۃ الاصفیا" کی جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ پر درج ہے، زیادہ صحیح ہے۔ اور زیادہ قابل اعتماد ہے اور آپ کو ابو جعفر عبداللہ زاہد الاعرج ابن حسین ابن علی زین العابدین سے سولہویں پشت کی بجائے انیسویں پشت پر قرار دینا چاہیے۔

حضرت سید علی ہمدانی کے جد امجد کا اسم گرامی سید محب اللہ ابو الحسن محمد ثانی فخر عالم محبوبی ہے، جن کا مزار پر انوار شمال مغربی پاکستان کی وادی کرم (کرم ایجنسی) کی وادی کرمان میں ہے۔ حضرت سید فخر عالم کے تین فرزند تھے۔ سید انور۔ سید اشرف۔ مہرالدین۔

سید علی ہمدانی کا شجرۂ نسب سید اشرف ولد سید ابو الحسن فخر عالم سے ملتا ہے۔ شجرہ یہ ہے:

امیر کبیر سید علی ہمدانی ابن سید شہاب الدین، ابن محمد ابن علی ابن یوسف ابن شاہ اشرف (المعروف بہ شاہ شرف)، ابن سید فخر عالم محبوبی ابو الحسن محمد ثانی۔ حضرت سید انور کی نسل کے سادات وادی کرم اور ضلع کوہاٹ کے درج ذیل مقامات میں آباد ہیں:

گرام۔ درادی۔ لشاری۔ کبا و شاہ خیل۔ زیڑان۔ ہنگو۔ ابراہیم زی۔ سدہ وغیرہ۔ اور شاہ اشرف کی نسل کے سادات کرم ایجنسی اور ضلع کوہاٹ کے درج ذیل مقامات میں۔ مانا۔ ونگیلہ (کرمان)،

آگرہ ۔غربینہ ۔ابراہیم زی پایان (ہنگو)۔ اشترزی ۔ سپینہ وڑی وغیرہ ۔

پانچویں صدی کے نصف آخر میں یوسف ابن شاہ اشرف مملکت ایران کی سرزمین ہمدان تشریف لے گئے تھے ۔میر سید علی ہمدانی کا پورا شجرۂ نسب یہ ہے : امیر کبیر سید علی ہمدانی ولد سید شہاب الدین ولد محمد ولد علی ولد یوسف ولد شاہ اشرف ولد سید ابو الحسن محب اللہ محمد ثانی فخر عالم محبوبی (مزار کرمان وادی کرم شمال مغربی پاکستان) ولد جعفر ولد ابو القاسم محمد اول ولد عبد اللہ ولد محمد ولد قاسم ولد یحییٰ[1] ولد حسن[2] ولد جعفر ولد حسین ولد جعفر ولد ابو جعفر عبد اللہ زاہد الاعرج (مدفن کوفہ) ولد حسین الاصغر ولد امام علی زین العابدین ولد سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین[3] ۔

خزینۃ الاصفیاء کے شجرہ[4] میں ۹ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۵ چار نام نہیں ہیں ۔جب کہ یہ نام سادات کرمان کے شجرۂ محبوبی میں موجود ہیں ۔

حضرت سید محب اللہ ابی الحسن محمد ثانی فخر عالم محبوبی کے دوسرے فرزند سید انور کا مزار پُر انوار وادی کرم کے مشہور تاریخی مقام شلوزان میں ہے ۔جب کہ شاہ انور کے فرزند سید طیب اور ان کے فرزند سید طاہر دونوں باپ اور بیٹے کے مزارات ایران کے مرکزی شہر طہران میں ہیں ۔اور بعد میں سید طاہر کے فرزند سید ضیاء الدین علی اکبر واپس کرمان (وادی کرم ایجنسی) تشریف لائے تھے اور آپ کا مزار پُر انوار بھی شلوزان میں ہے ۔ سید فخر عالم محبوبی کی نسل میں سے یہ دوسرا خاندان ہے ۔جن کی بدولت پاکستان کے کرمان اور ایران کے طہران کے درمیان رشتہ قائم ہے ۔

پیش نظر مقالہ میں امیر سید محمد نور بخش کا نام ذکر کیا گیا ہے ۔اور یہ کہ "سید محمد نور بخش نے سلطان شاہرخ بن امیر تیمور کے زمانہ میں بڑی مذہبی اور سیاسی اہمیت حاصل کر لی تھی "

اس سلسلہ میں ان معلومات کا اضافہ کرنا ضروری ہے ۔ سید محمد نور بخش کے والد ماجد سید احمد بیگم سے امیر تیمور گورگانی کی ہمشیرہ بیاہی گئی تھی اس طرح امیر تیمور سید محمد نور بخش کے ماموں تھے اور سلطان شاہرخ آپ کے

---

[1] سید یحییٰ کا مزار مبارک ہرات افغانستان میں ہے ۔ [2] سید حسن کا مزار بلخ میں ہے ۔ [3] شجرۂ نسب سادات کرم ایجنسی ۔ [4] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ طبع نولکشور پریس ۔ [5] سادات کرمان کے شجرہ میں یہ نام عبد اللہ ہے کہ کتاب رحمۃ اللعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ میں یہ نام عبید اللہ الاعرج ہے ۔

ماموں زاد بھائی تھے۔ اس رشتہ کی مناسبت سے سید محمد نوربخش کی مذہبی اہمیت کے علاوہ سیاسی اہمیت حاصل کرنے کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے۔

نیز یہ وہی سید محمد نوربخش ہیں جو شمال مغربی پاکستان کے مشہور روحانی پیشوا اخوند رویزہ علیہ الرحمۃ کے پیر طریقت حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا علیہ الرحمۃ کے جد امجد ہیں۔ آپ کا شجرہ یہ ہے: سید علی: (ترمذی پیر بابا) ابن سید قنبر علی ابن سید احمد نور ابن سید یوسف نور ابن سید محمد نوربخش ابن سید احمد ہیثم۔

اخوند رویزہ فرماتے ہیں کہ سلسلہ کبرویہ میرے پیر طریقت کے خاندان میں پشت بہ پشت چلا آرہا تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سید محمد نوربخش نے شیخ ابو اسحاق ختلانی سے اور انھوں نے سید علی ہمدانی سے سلسلہ کبرویہ کا فیض حاصل کیا تھا۔ جہاں سید علی ترمذی پیر بابا فرماتے ہیں کہ امیر تیمور میرے بزرگوں کے ماموں تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ امیر تیمور سید محمد نوربخش کے ماموں تھے، جو حضرت پیر بابا کی پانچویں پشت میں جد امجد ہیں۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ فقیدالشرق سید جمال الدین افغانی الحسینی جن کی ذات گرامی کے لیے ایران و پاکستان دونوں میں یکساں طور قدر و احترام کے جذبات ہیں، نسلاً نویں پشت میں سید علی ترمذی پیر بابا کے اور تیرھویں پشت میں ان ہی سید محمد نوربخش کے نواسے ہیں۔ آقائے علی اصغر حکمت فرماتے ہیں: "سید محمد نوربخش کے فکری نقوش اور تالیفات اب بھی سرزمین ایران میں باقی ہیں۔" اگر اس کے ساتھ ہی ان ہی سید محمد نوربخش کی نسل میں سے سید جمال الدین افغانی الحسینی کے ان فکری نقوش پر نظر ڈالی جائے جنھوں نے ایران کو حیات نو بخشی ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی پیش نظر رہے کہ سید جمال الدین افغانی کے جد امجد سید علی ترمذی پیر بابا جو سلسلہ کبرویہ میں سید علی ہمدانی سے وابستہ ہیں۔ ان کا مزار پُر انوار شمال مغربی پاکستان کے کوہستان بنیر میں ہے، تو ایران اور پاکستان کے درمیان ایک مزید رشتہ نظر آسکے گا۔ سید علی ترمذی پیر بابا کے فرزند سید مصطفٰی کا مزار اسی وادی کنر کے موضع دو نائی پشت میں ہے، جہاں سید علی ہمدانی فوت ہوئے تھے۔ اسی وادی کنر میں سید مصطفٰی کے فرزند سید عبدالوہاب کے گھر میں سید جمال[1] پیدا ہوا اور پھر اس سید جمال کی نسل میں اسی وادی کنر میں سید جمال الدین افغانی الحسینی پیدا ہوئے جنھوں نے سید علی ہمدانی کے وطن پہنچ کر وہ مشعل جلائی جو سید علی ہمدانی کنر کی وادی میں چھوڑ گئے تھے۔ بے شک ایران نے پاکستان کو بہت کچھ دیا ہے۔ لیکن پاکستان نے بھی تو ایران

---

[1] سید جمال کی دختر نیک اختر شاہ محمد غوث قادری، گیلانی، لاہوری کی والدہ ماجدہ ہیں۔ (ناشر)

کو سید علی ہمدانی اور سید جمال الدین افغانی دیے ہیں۔ جنہیں آپ ایک ہی قوم کے دو ملکوں کا مشترکہ افتخار کہہ سکتے ہیں۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی

پیش نظر مقالہ میں لکھا ہے کہ سید علی ہمدانی نے سلسلہ عالیہ کبرویہ کا فیض شیخ علاء الدولہ سمنانی وفات ۷۳۶ھ کے ذریعہ حاصل کیا تھا۔ لیکن یہ نام اخوند رویزہ کی تالیف تذکرۃ الابرار والاشرار (صفحہ ۱۲۷ طبع پشاور ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۷۹ھ۔ زمانہ تالیف کتاب ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ء) میں شیخ علی لالا ہے۔ نیز شیخ علاء الدولہ کو جسے اس مقالہ میں سید علی ہمدانی کا پیر طریقت بیان کیا گیا ہے۔ تذکرۃ الابرار میں سید علی ہمدانی کا مرید بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ خزینۃ الاصفیاء (جلد ۲ صفحہ ۲۶۷) میں بھی شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ کا نام شیخ رضی الدین علی لالا ابن سعید ابن عبدالجلیل لالا ابن حکیم سنائی غزنوی ہے۔ خزینۃ الاصفیاء (جلد ۲ صفحہ ۲۹۴) میں سید علی ہمدانی کو شیخ تقی الدین علی دوستی کا مرید بیان کیا گیا ہے۔ اور شیخ تقی الدین کو شیخ علاء الدولہ سمنانی کا مرید ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف تذکرۃ الابرار (صفحہ ۱۲۷) میں سید علی ہمدانی کو شیخ علی لالا کا مرید بتایا گیا ہے اور علی لالا کو شیخ نور عبدالرحمان کا اور ان کو شیخ نجم الدین کبریٰ کا مرید ذکر کیا گیا ہے۔ ان مختلف بیانات کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ سید علی ہمدانی کے ایک شیخ رضی الدین علی لالا تھے جو براہ راست نجم الدین کبریٰ کے مرید تھے۔ اور انھوں نے تکمیل نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ شیخ نور عبدالرحمان سے بھی کی تھی۔ اور اسی طرح سید علی ہمدانی کے دوسرے شیخ طریقت تقی الدین دوستی تھے، جو علاء الدولہ سمنانی کے خلیفہ تھے اور بہت ممکن ہے کہ شیخ تقی الدین نے اپنے مرید کو اپنے پیر طریقت شیخ علاء الدولہ کی خدمت میں بھی پیش کیا ہو۔ لیکن یہ ایسی بات ہے کہ اس کی تائید خزینۃ الاصفیاء کے بیان سے نہیں ہوتی اور نہ تذکرۃ الابرار سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ جب سید علی ہمدانی کے شیخ طریقت تقی الدین دوستی (جو علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے) فوت ہوگئے تو سید علی ہمدانی نے دوبارہ شیخ شرف الدین محمود کی خدمت میں رجوع فرمایا۔ بہرحال یہ ایک الجھن ہے جس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ حضرت سید علی ہمدانی نے چودہ سو مشائخ کرام سے فیض پایا تھا اور ان میں سے چونتیس مشائخ نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا تھا۔ لیکن ان چونتیس مشائخ میں شیخ علاء الدولہ سمنانی کا نام موجود نہیں ہے۔ آقائے حکمت نے جب بطور خاص شیخ علاء الدولہ کا ذکر کیا ہے تو ان کے پیش نظر اس شیخ کا نام اس فہرست میں موجود ہونا چاہیے تھا۔